انجم یوسف
اسکالر پی ایچ۔ڈی، قرطبہ یونی ورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور۔
ڈاکٹر تحسین بی بی
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ لسانیات وادبیات قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور۔
ڈاکٹر انور علی
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، جامعہ اسلامیہ کالج، پشاور

معدوم ہوتی ہوئی صنفِ ادب: مکتوب نگاری

Anjum Yousaf
Ph.D Scholar, Qurtuba University of Science & Information Technology, Peshawar.
Dr. Tehseen Bibi
Associate Professor, Department of Linguitic & Literature, Qurtuba University of Science & Information Technology, Peshawar.
Dr. Anwar Ali
Assistant Professor, Department of Urdu, Jamia Islamia College, Peshwar.

Extinct of Genre Literature "Maktoob Nigari"

There are several genres in Urdu literature which are indebted to other languages. Various writers, poets and other political and religious celebrities have raised the banner of success in the field of these literary kinds. With the passage of time, many literary kinds were diminished and number of their authors declined. These genres include Anecdote, letter writing, essays, diary writing and bounded poems. In this article, we will take a brief look at the extinct literary genres (Anecdote, essay, dairy writing and bound poem). In addition, a special review on letter writing as extinct genre will be taken.

Key Words: *Extinct Literary Genres, Anecdote, Essay, Dairy writing, Bounded Poem.*

جیسے جیسے وقت ترقی کے پر لگا کر تیزی سے منازل طے کر تا جارہا ہے ویسے ویسے ہم راستے میں آنے والے بے شمار سنگِ میل راستے کی دھول سمجھ کر بھولتے جارہے ہیں۔ زندگی کی دوڑ میں کبھی انسان پیدل، کبھی گدھا گاڑی اور کبھی گھوڑا گاڑی پر سفر کر تا تھا مگر اب یہ سب راستے کے سنگِ میل بن کر زندگی کی راہ سے اوجھل ہو چکے ہیں اور

جدید ذرائع آمد و رفت ترقی کے پر بن کر اونچی اُڑان میں مصروف ہیں۔ اسی طرح بے شمار ثقافتی پہلوؤں اور رسم ورواج کو ماضی کی دھندلاہٹ میں گم کر چکے ہیں۔ ترقی کے اس سفر میں نہ تو ہمارے پاس کسی دوسرے کے لیے وقت بچا ہے اور نہ ہی احساسات ہم انسان سے زیادہ روبوٹ بن چکے ہیں جو کسی دوسرے کی ہدایات پر لگا بندھا کام سرانجام دیتے ہیں۔ شہری معاشرت تو پہلے سے ہی ایک دوسرے سے روابط کی روایات کو بھلا چکی تھی تاہم جدت دیہی معاشرت پر بھی اپنا گہرا اثر چھوڑ چکی ہے۔ اب نہ تو دیہاتوں میں چھت کی منڈیر پر کوا کائیں کائیں کر کے مہمانوں کی آمد کی اطلاع دیتا ہے اور نہ ہی چوپال میں برگد کی چھاؤں کے نیچے لوگ اکٹھے ہو کر ایک دوسرے کا دکھ بانٹتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمیؔ نے اپنے بے شمار افسانوں میں مفقود ہوتی ہوئی اس طرح کی دیہاتی زندگی کے المیے کا ذکر کیا ہے۔ وہ اپنے افسانے " ایک رات چوپال پر " میں موجودہ دور میں ہونے والی ترقی کا ذکر کچھ اس طرح کرتے ہیں:

> "اب اگر ہمارے باپ اور دادا خدا کی قدرت سے زندہ ہو کر یہاں آئیں تو دہل کر پھر مر جائیں۔ ریل دیکھو! کالی کلوٹی لوہے کی مشین پشور سے لہور اور لہور سے دہلی تک بھاگتی جاتی ہے اور نہیں تھکتی۔ یہ گراموفون باجا دیکھا آپ نے؟ کون بولتا ہے ان کالے تووں میں؟ بس چابی گھما دو۔ سوئی اوپر رکھ دو۔"(۱)

معصوم چڑیوں نے اس جدت سے تنگ آ کر صبح سویرے چہچہانا تک مفقود کر دیا ہے اور صبح و شام کا فرق تک مٹتا جا رہا ہے بہ قول محمد علویؔ:

اب تو چپ چاپ شام آتی ہے
پہلے چڑیوں کے شور ہوتے تھے(۲)

اکیسویں صدی کے آغاز سے پہلے ہی ہم جدت کے ساتھ ساتھ تبدیلی کے مراحل سے بھی گزر رہے تھے۔ جدت کا انقلاب ایک سیلاب کی طرح ہر سو نظر آ رہا تھا۔ انسان چاند فتح کر چکا تھا اور مریخ کے لیے رختِ سفر باندھا جا چکا تھا۔ مہینوں کی مسافت چند گھڑیوں میں طے ہونے لگی، سیل فون آیا تو ہزاروں میل دور نا صرف صوتی رابطہ ممکن ہوا بلکہ بصری روابط کا بھی آغاز ہوا۔ اگر ہم ادب کی بات کریں تو وہ ادب جو آج سے پہلے اخبارات، کتابوں اور رسائل و جرائد کے ذریعے فروغ پاتا تھا اب اس ادب تک رسائی برقی صورت میں ہونے لگی تھی نیز ہر شہر کی کی ادبی محافل و ادبی تنظیموں کو جدت نگل گئی۔ کرونا کی وباء سے تو اجتماعی محافل بالکل ہی ختم ہو کر رہ گئیں۔ ترقی پسند تحریک جب شروع ہوئی تو اس وقت بے شمار مشاہیر ادب اس میں شامل ہو گئے۔ ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثر شعرا

نے اپنے جذبات و احساسات کا اظہار شاعری کے پہلے سے متعین کردہ پیمانوں سے انحراف کر کے کیا۔ اس وجہ سے نظم خصوصاً 'پابند نظم' کو بتدریج زوال کا سامنا کرنا پڑا۔ بقول وزیر آغا:

> "ویسے بھی اب اس تحریک کے نام لیوا "نوجوان" نہیں رہے بلکہ بعض تو بوڑھوں میں شمار ہونے لگے ہیں۔ لہٰذا جذباتیت کے منہا ہو جانے کے بعد اس تحریک کا شور قریب قریب ختم ہو گیا ہے مگر اس تحریک نے اردو زبان اور ادب کو جو نقصان پہنچانا تھا "بطریق احسن" پہنچا دیا ہے۔ آج اگر نوجوان "نثری نظم" کے سلسلے میں جذباتی ہو گئے ہیں یا ادبی اقدار تک کو شک و شبہ کی نظروں سے دیکھتے ہیں یا زبان کی شکست و ریخت کو اپنا مسلک بنائے پھرتے ہیں تو یہ سب کچھ اس تحریک ہی کا منفی اثر ہے۔"(۳)

ہماری ناقص دانست میں وزیر آغا کے بیان کی روشنی میں اگر ہم نظم کو پرکھیں تو معلوم ہو گا کے پہلے آزاد نظم کا چلن ہوا اور اس کے بعد اردو ادب میں نثری نظم کا چلن بد ہوا۔ جس طرح عمومی طور پر انسانوں کی دو جنسیں (مرد اور عورت) ہوتی ہیں اسی طرح ادب میں بھی دو بنیادی اصناف (نظم اور نثر) ہوتی ہیں۔ جس طرح انسانوں کی تیسری جنس "خواجہ سرا" قدرتی طور نسل بڑھانے کی صلاحیت سے عاری ہوتی ہے بالکل اسی طرح اردو ادب میں "نثری نظم" بھی ادب کی ترویج و ترقی میں کوئی کردار ادا کرنے سے قاصر ہے۔

ادب کی مفقود ہوتی ہوئی اصناف کی بحالی تو شائد ممکن نہ ہو مگر ادبی دنیا میں ان کا ایک خاص مقام ہمیشہ برقرار رہے گا۔ اگر ہم غور کریں تو معلوم ہو گا کہ درج ذیل ادبی اصناف اب وقت کی ترقی کے ساتھ یا تو مفقود ہو چکی ہیں یا پھر مفقود ہوتی جا رہی ہیں:

الف) داستان:

چوں کہ داستان میں کرداروں اور کہانیوں کی بہتات ہوتی ہے۔ ایک واقعے سے دوسرا واقعہ جنم لیتا ہے اور داستان ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔ جدت کے اس دور میں دو دو سو اقساط پر مبنی ٹیلی ویژن ڈرامے داستان کی جگہ لے چکے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ داستان کے کسی ایک کردار کو لے کر ناول کی شکل دے دی جائے اور ایسا ہوتا بھی ہو گا کہ داستان کی کہانی کا پلاٹ لے کر اُس پر ناول لکھ دیا گیا ہو۔

ب)مکتوب نگاری:

برقی پیغامات کے ذرائع مثلاً موبائل فون، کمپیوٹر اور دیگر سوشل میڈیا کے استعمال سے ذاتی مکتوب نگاری کی صنف معدوم ہو چکی ہے۔ صرف سرکاری یا عدالتی مکتوبات کا وجود ان کی ضروریات کے پیش نظر باقی ہے۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ذاتی جذبات اور سچ بیانی کا ایک خاص ذریعہ یعنی مکتوب نگاری مفقود ہوتی جا رہی ہے۔

ج)انشائیہ:

اردو انشائیہ جسے انگریزی میں Essay بھی کہتے ہیں اردو ادب کی ایک شان تھی۔ بے شمار مشاہیر کی انشائیہ پردازی میں خدمات موجود ہیں مثلاً مولانا محمد حسین آزاد، عبدالحلیم شرر، خواجہ حسن نظامی، فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی ، منشی پریم چند ، پطرس بخاری اور مشتاق احمد یوسفی جیسے نام نمایاں ہیں۔ موجودہ دور میں مدونہ(Blog)اور کالم نگاری وغیرہ کی برقی شکل نے اس کی جگہ لے لی ہے۔

د)یادداشت:

یادداشت کی صنف اردو کی مقبول اور قدیم ترین اصناف میں سے ایک ہے۔ نہ صرف مشاہیر بل کہ بادشاہ بھی اپنی اپنی یادداشتوں کو رقم کرتے یا لکھتے تھے۔ جب کہ آج اس جدت کے دور میں یہ صنف بھی ختم ہو چکی ہے اس کی جگہ وی لاگ (V-log) نے لے لی ہے جس کے توسط سے انسان اپنی یادداشت کو ویڈیو کی شکل میں سوشل میڈ کے پلیٹ فارمز پر شائع کرتا ہے۔ یاداشت تحریر کرنے کا دوسرا نام ڈائری لکھنا بھی ہے۔ اُردو کے تحقیقی میدان میں کسی کی ذاتی ڈائری حقائق حاصل کرنے کا ایک اہم، مستند اور مفید ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔

ر)ادبی رسائل وجرائد:

ادبی رسائل وجرائد نہ صرف ادب حلقوں کے ذوق کی تسکین کا ذریعہ تھے بل کہ بے شمار لوگوں کے فکرِ معاش کا حل بھی تھے دور جدید کی جدت پسندی نے کتابی شکل کے ادبی رسائل وجرائد کو مکمل ختم تو نہیں کیا البتہ کم یاب ضرور کر دیا ہے اور اس کی جگہ برقی اخبارات ورسائل جرائد نے لے لی ہے۔ موجودہ ترقی کے دور میں اب ادبی رسائل وجرائد کے مالکان تحاریر کو کاغذ پر طبع کرنے کی بجائے ای-کاپی(برقی عکسی نقل) کے طور پر اپنی اپنی ویب سائیٹ پر چڑھا دیتے ہیں اور قاری، جو انٹرنیٹ کی سہولت رکھتا ہے، وہاں سے پڑھ لیتا ہے۔

س) پابند نظم:

ایک دور تھا کے پابند نظم کے مقابلہ جات ہوا کرتے تھے۔ لوگ ذوق شوق سے اس فن میں اپنا لوہا منوانے کے لیے دریا کو کوزے میں سمیٹنے کے لیے سعی کرتے۔ شعری لوازمات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے نظم کہتے۔ آج زمانے کی تیزی میں جدت کے اس دور آزاد نظم، نظم معری اور دیگر نئی جہات تو پروان چڑھی ہیں مگر پابند نظم کی صنف مکمل طور پر ختم ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے کیونکہ نئے دور کے شعرا کی کافی زیادہ تعداد علم عروض اور اوزان کے علم سے نابلد ہے۔

ہماری دانست کے مطابق تو یوں محسوس ہو رہا ہے کہ پاکستان میں اب اعلیٰ اردو ناول نگاری بھی چراغ سحر ثابت ہو رہی ہے۔ جیسے بہترین اردو ناول بیسویں صدی میں لکھے ویسے ناول اب اس صدی میں مفقود ہوتے جا رہے ہیں۔ اگرچہ نئے ناول تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ ہیں مگر معیار کے لحاظ سے کم تر ہیں۔ بیسویں صدی میں مرد ناول نگار کافی زیادہ تھے مگر اکیسویں صدی میں جدت کے دور میں عورتوں نے اس میدان پر قبضہ جما لیا ہے۔ اگر ہم موجودہ صدی میں پاکستان کے ناول نگاروں کا ذکر کریں تو معلوم ہو گا کہ اس صف میں مرزا اطہر بیگ، محمد حمید شاہد، حسن منظر، عبید اللہ بیگ، مستنصر حسین تارڑ اور خالدہ حسین جیسے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ اگرچہ عمیرہ احمد، نمرہ احمد، سمیرا شریف طور و دیگر نے بے شمار ناول لکھے اور ان کے ناولوں نے مقبولیت کے ریکارڈ بھی توڑے مگر ادبی حلقوں میں ان کو زیادہ پذیرائی نہ ملنے کی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ ان کے لکھے ہوئے ناول اردو ادب کے اساتذہ کرام کے پیمانے پر پورا نہ اترتے ہوں۔ عمیرہ احمد کا ناول "پیر کامل"[۳] فروخت کے لحاظ سے اس وقت بھی پاکستان میں ریکارڈ قائم کر رہا ہے۔ مگر اس بات سے بھی انکار نہیں کہ کلاسیکی ادب سے محبت کرنے والے موجودہ جدید دور کے ناولوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھتے ہوں۔

جدت یا ترقی نے جہاں انسان کی زندگی کے سماجی پہلوؤں پر اپنی گہری چھاپ چھوڑی ہے وہاں ادبی روایات کو بھی بے انتہا متاثر کیا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب داستان گو اپنے منفرد انداز میں سینکڑوں لوگوں کے سامنے داستان چھیڑتا تھا تو اس وقت صرف سامعین کے سانسوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ سامعین کی سماعتیں صرف اور صرف داستان گو کی آواز پر مرکوز ہوتی تھیں۔ عصر حاضر میں داستان کا دور دور تک نام و نشان دکھائی نہیں دیتا کیوں کہ وہ جدید ادب کے راستے کا ابتدائی سنگ میل بن کر گزر چکا۔ البتہ ہندوستان کی ایک ادبی ویب سائیٹ www.rekhta.org نے داستان کے فن کو زندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب یہ تو مستقبل ہی بتائے گا اُن کی

کوشش کتنی کام یاب ہوئی ہے۔ اسی طرح ادبی دنیا میں روزنامچہ اور یادداشتیں (ڈائری) لکھنے کا رجحان سرے سے ہی ختم ہو چکا ہے۔ بے شمار مشاہیر کی ذاتی یاد داشتیں آج ان شخصیات کی زندگیوں کو جاننے کا سبب ہیں مثلاً نیلسن منڈیلا، جواہر لال نہرو، گاندھی، جوش ملیح آبادی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شبلی نعمانی، احسان دانش، قدرت اللہ شہاب اور بے نظیر بھٹو، جیسی مذہبی، سماجی، سیاسی اور ادبی شخصیات کی یادداشتیں اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ جدت نے کسی شعبہ ہائے زندگی کو اپنے اثر سے خالی نہیں چھوڑا۔ مکتوب نگاری بھی ادب کی ایک ایسی ہی صنف ہے جو موبائل اور سوشل میڈیا کے اس دور میں ناپید ہو چکی ہے۔ اب برقی پیغام رسانی نے خطوط کی جگہ لے لی ہے اور جو کبھی آدھی ملاقات تصور کی جاتی تھی اب نام نہاد برقی پیغامات سے پوری سمجھی جانے لگی ہے۔ اس صنف کی مقبولیت اور اہمیت کا اندازہ اس بات سے بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اردو ادب کے چند مشاہیر کی زندگیوں کو جاننے کے لیے ان کے مکتوبات کا سہارا بھی لیا گیا۔ جن میں مرزا اسد اللہ خان غالب، مولانا محمد علی جوہر، نیاز فتح پوری، علامہ اقبال، منشی پریم چند، سارہ شگفتہ، مولانا مودودی، مولانا شبلی نعمانی اور خواجہ حسن نظامی جیسی شخصیات شامل ہیں۔ مکتوب نگاری کی صنف بھی ایک ایسی صنف ہے بلکہ تھی جو ماضی میں ایک دوسرے سے پیغام رسانی کا سب سے بہترین ذریعہ تھی۔ اسلامی تاریخ سے پہلے مستند خطوط کا ذکر کیا جائے تو ملکہ سبا کو حضرت سلیمانؑ کی جانب سے لکھا گیا خط اس کی ایک اہم مثال ہے۔ اس کا ذکر قران مجید کی سورۃ نمل کی آیت نمبر تیس میں ہے (۴)۔ اگر ہم خطوط یا مکتوبات کی اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ نے مختلف بادشاہوں اور بڑے بڑے سرداروں کو اسلام کی تبلیغ کی خاطر خطوط بھی بھیجے تھے۔

خطوط نگاری کی تعریف کا عمومی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ مختلف حوالہ جاتی کتب میں اس کی تعریف کے لیے اگرچہ الفاظ تو مختلف استعمال ہوئے ہیں مگر معانی و مفاہیم تقریباً ایک جیسے ہیں مثلاً فیروز اللغات میں خط کی تعریف کرتے ہوئے اسے عربی زبان کا اسم مذکر قرار دیا ہے۔ فرہنگ میں خط کے معانی کے لیے درج ذیل الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

"نوشتہ، تحریر، لکیر، نشان، نامہ، مکتوب، ہاتھ کا لکھا" (۵)

فرہنگ آصفیہ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ خط عربی زبان کا لفظ ہے اور بطور اسم مذکر استعمال ہوتا ہے۔ اس کے دیگر معانی و مفاہیم کچھ اس طرح بیان کیے گئے ہیں:

"نامہ، مکتوب، چٹھی، رقعہ، ہاتھ کا لکھا ہوا" (۶)

کسی بھی زبان کے روز مرہ، محاورات اور ضرب المثال کی مدد سے بھی ہم کسی ادا کئے گئے لفظ کے معانی و مفاہیم تلاش کر سکتے ہیں۔ مثلاً عربی زبان کی ایک مشہور ضرب المثل جو ذیل میں دی گئی ہے اور اس کا ترجمہ کچھ یوں ہے "خط آدھی ملاقات ہے":

"المکتوب النصف الملاقات"(۷)

اردو ادب کی ترویج میں مکاتیب کا کردار انتہائی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ مشاہیر ادب نے اپنے خطوط کی مدد سے نہ صرف ہمیں اپنے دور کے عمرانی حالات سے روشناس کروایا ہے بلکہ ہمیں اپنے دور کے ادب سے بھی متعارف کروایا ہے۔ مکتوب نگاری کے میدان میں مکاتیب مرزا غالب، مکاتیب سر سید احمد خان، مکاتیب شبلی نعمانی، مکاتیب حالی، غبار خاطر، مکاتیب اقبال اور جناح کے خطوط نے ہمیں سیاسی، ادبی، عمرانی، نفسیاتی، مذہبی اور تنقیدی شعور عطا کیا ہے۔ علاوہ ازیں مکتوبات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ماضی میں خطوط لکھنے کی باقاعدہ تربیت دربار کے زیر سایہ دی جاتی تھی۔ درباروں میں اس کام کے لیے باقاعدہ منشی، کاتب اور دیگر ماہرین بھرتی کئے جاتے تھے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ حاکمانِ وقت اپنے زیر تسلط علاقے کی خبریں حاصل کرنے کے لیے جاسوس مکتوب نگار بھرتی کیا کرتے تھے جو انہیں اپنے علاقوں کی خبریں تحریری طور پر بھیجا کرتے تھے اور حاکم اپنے دربار میں بیٹھ کر دور دراز کے علاقے کی بھی خبر رکھتا تھا۔ اس سلسلے میں شیر شاہ سوری کا نظام ایک بہترین نظام تھا۔ شیر شاہ سوری نے ڈاک کے محکمے کو دیوان برید کا نام دیا اور ایک وزیر اس محکمے کے لئے تعینات کیا۔ اس وزارت کو وزارت خبر و جاسوسی و سراغ رسانی(۸) کا نام دیا گیا۔ یہ سلطنت میں ہونے والے واقعات کی بابت بادشاہ کو اطلاع دینے کے لیے ایک عمدہ کوشش تھی۔ اس سے دربار دور دراز کے علاقوں کے بارے باخبر رہتا تھا۔

اس کے علاوہ خطوط انسانی ذاتی زندگی میں بھی انتہائی اہمیت رکھتے تھے۔ یہ خطوط ہی تھے جو ایک دوسرے کے حالات، دِلی جذبات اور خیالات ایک دوسرے تک پہنچانے کا واحد ذریعہ تھے۔ ایک دوسرے کی خبر گیری خطوط کی مدد سے ہی ہوتی تھی۔ محبت کے اظہار کے لیے خطوط سے کام لینے کا رجحان تو کافی پرانا ہے۔ اگر ہم خطوط کی اقسام کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ ہر دور میں خطوط کی مختلف اقسام کا چلن رہا ہے مثلاً ذاتی خطوط، کاروباری خطوط، سرکاری خطوط، اخبارات و رسائل کو خطوط، ادبا و شعرا کے ایک دوسرے اور سیاسی و مذہبی مشاہیر کے خطوط وغیرہ۔ اس بات سے انکار کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے کہ اپنے دور کے ادب میں ترقی و ترویج میں مکتوبات بھی ایک سیڑھی کی حیثیت رکھتے تھے۔ مکتوب نگاری کی صنف اردو ادب کی ایک اہم صنف رہی ہے۔ آج بھی ہم مشاہیر کے

مکتوبات کی روشنی میں نہ صرف ان کے حالات زندگی بل کہ ان کے دور کے حالات کو بہ خوبی جانچ سکتے ہیں۔ ہماری دانست میں خطوط کی حیثیت تاریخی و عمرانی اعتبار سے ہمیشہ مستند گردانی جاتی ہے۔ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں کے آپس کے تعلقات اور دونوں کے گردونواح کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے مکتوبات کی اہمیت انتہا سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہ مکتوبات ہی ہوتے ہیں جن میں مکتوب نگار کے خیالات خاص ذاتی ہوتے ہیں اور وہ اپنی دیگر ادبی اصناف سے ہٹ کر لکھتا ہے۔ دیگر ادبی اصناف میں شاعر یا ادیب اپنے خیالات کے ساتھ ساتھ قاری کی ضروریات کا بھی خیال رکھتا ہے مگر خط میں مکتوب نگار صرف اپنے ذاتی جذبات و خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ اس بارے میں خلیق انجم صاحب کہتے ہیں:

> "خط شخصی چیز ہے اس میں صرف ایک آواز اُبھرتی ہے اور وہ ہے مکتوب نگار کی آواز جو سو فیصد ذاتی ہوتی ہے۔ یہ آواز مکتوب نگار کی دوسری آوازوں سے مختلف ہوتی ہے، اُس آواز سے بھی جو مکتوب نگار کی سماجی آواز آواز ہوتی ہے اور اس آواز سے بھی جو اس کے تخلیقی فن میں گونجتی ہے۔ یہ آواز ایسے انسان کی ہوتی ہے جو عظیم فن کار ہوتے ہوئے بھی ایک عام انسان ہے اور عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا، جاگتا سوتا ہے۔ جو خلوت کدے میں اپنے چہرے اور تہہ در تہہ شخصیت پر سے تمام پردے ہٹا دیتا ہے۔"(۹)

درج بالا عبارت سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ کسی مشہور شخصیت کی ذات کا سچ اس کے خطوط سے لگایا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ایک صنف اتنی ہی اہمیت کی حامل ہے تو پھر اس پر زوال کے سائے کیوں چھا چکے ہیں؟ وہ صنف معدوم ہوتی ہوئی کیوں نظر آ رہی ہے بل کہ تقریباً معدوم ہو چکی ہے۔ ہمارے موضوع کا اصل مقصد یہی ہے کہ ان پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے کہ اردو ادب کی اصناف میں مکتوب نگاری کا مقام پہلے جیسا کیوں نہیں رہا۔

جدید دور کی جدتیں جہاں ہمیں بے شمار معاملات میں آسانیاں فراہم کر رہی ہیں وہاں ہمیں ان کا کچھ خمیازہ بھی بھگتنا پڑ رہا ہے۔ ایجادات کی وجہ سے گھنٹوں کا کام سیکنڈوں میں ہونے لگا ہے۔ پہلے ٹیلی فون ایجاد ہوا تو پیغام رسانی برقی تاروں کی مرہون منت ہو گئی، کمپیوٹر ایجاد ہوا تو تحریر کے ساتھ ساتھ آواز اور تصویر کو بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ دیکھنے اور سننے میں آسانی ہو گئی اور رہی سہی کسر موبائل فون نے نکال دی۔ اب موبائل فون سے متعلق ایس۔ ایم۔ ایس، وہاٹس ایپ، ٹیلی گرام، فیس بک، ای۔ میل، ٹویٹر اور ایمو جیسی سہولیات نے مکتوب نگری کی صنف

کو ایسے جکڑ لیا ہے کہ اس کا سانس بھی مشکل سے چل رہا ہے۔ موبائل فون میں تحریریں اور دیگر مواد محفوظ رکھنے کی ایک حد ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ اشیا کو فون بعض اوقات خود بہ خود ہی ضائع کر دیتا ہے یا پھر فون استعمال کرنے والا خود ضائع کر دیتا ہے۔ بے شمار نوادرات (موبائل فون میں تحاریر) ضائع ہو جاتی ہیں مگر کتابی شکل میں محفوظ رہتی ہیں۔ نئی ایجادات نے البتہ ہمیں یہ سہولت دی ہے کہ ایسی نایاب کتب جو اب بازار میں موجود نہیں ان کو عکسی شکل میں محفوظ بنا کر ادب کے پیاسوں کو مہیا کر کے اُن پر احسان کیا ہے۔ خطوط کی ہی ایک قسم عید کارڈ کی شکل میں بھی تھی جو اب نایاب ہو چکی ہے۔ عید کارڈ صرف ایک عید کارڈ ہی نہیں ہوتا تھا بل کہ وہ تحریری و تصویری طور پر جذبات کا عکاس ہوتا تھا۔

ایک وقت وہ بھی تھا جب رمضان سے پہلے نہ صرف پاکستان بل کہ دنیا بھر کے مسلم ممالک کے بے شمار اشاعتی ادارے صرف اور صرف عید کارڈ کی چھپائی میں مصروف عمل ہوا کرتے تھے۔ اگر ہم پاکستان کی بات کریں ماضی میں اشاعتی اداروں کے فن کار نت نئے ڈیزائن بنانے میں مصروف عمل ہوتے تھے۔ بازار میں عید کارڈ پہنچتے تو ہاتھوں ہاتھ بکنے شروع ہو جاتے۔ اِدھر عید کارڈ گھروں میں پہنچتے اُدھر لکھنے کی تیاری شروع ہو جاتی۔ سب مل کر عمدہ اشعار ڈھونڈتے اور عید کارڈ پر اپنے جذبات کا اظہار لکھ کر کرتے۔ ڈاک کا عملہ دن رات لگا کر عید سے پہلے عید کارڈ پہنچانے کا بندوبست کرتا۔ رواں صدی کے آغاز میں کمپیوٹر اور موبائل فون نے جدت کے پر پھیلائے، مہنگائی نے بام عروج حاصل کیا اور عید کارڈ جدت کے پروں کے نیچے آ کر ایسے غائب ہو گیا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اب فون پر عید یا کسی اور تہوار پر ایک خوبصورت سا برقی پیغام آ جاتا ہے جو کسی طور پر بھی دلی جذبات و احساسات کے اظہار کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ ماضی میں سرخ یا سبز رنگ کا ایک نرم گتہ نما خط جب ڈاکیہ کسی کے گھر کے سامنے پہنچتا تھا تو گھر والے پڑھے سنے بغیر ہی رونا پیٹنا شروع کر دیتے تھے۔ کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح کا خط (تار) ہمیشہ کسی رشتہ دار کے مرنے کا پیغام لے کر آتا ہے چاہے بعد میں یہ معلوم ہو کہ یہ پیغام تو کسی کی پیدائش کی اطلاع بھی ہو سکتی ہے۔ جدت نے تو ہمارے رسم رواج تک کو بدلا کر رکھ دیا ہے۔ عید کارڈ کے خوب صورت اسلامی ڈیزائن بنانے والے اور چھاپنے والے لوگ جو پہلے کاروں کے مالک تھے اب جدت کی بدولت بے کار ہو چکے ہیں۔

موجودہ دور میں صرف سرکاری یا محکمانہ خطوط ہی لکھے جا رہے ہیں۔ یہ سرکاری یا محکمانہ خطوط آج بھی اسی زور و شور سے لکھے جا رہے ہیں جیسے کبھی ماضی میں لکھے جاتے تھے۔ عدالتوں کے نوٹس، بھرتی کے فارم، سرکاری و غیر سرکاری یونی ورسٹیوں کے داخلہ و فیس کے معاملات اور یونین کونسل اور دیگر مصالحتی دفاتر کے نوٹس نما خطوط

وغیرہ ہی موجودہ دور میں خطوط سمجھے جاتے ہیں۔ مشاہیر اب خود اپنی رائے اور اطلاع وغیرہ کے لیے برقی طریقہ کار استعمال کرتے ہیں۔ اب تو ادیب اور شاعر بھی مسودات کی بجائے براہ راست کمپیوٹر پر ہی لکھنے کو ترجیح دے رہے ہیں۔ بڑے بڑے سیاسی دانش وراور مذہبی رہنما بھی ہاتھ کی تحریر کی بجائے ٹویٹر کا سہارا لیتے ہیں۔ جب ادبا، شعرا اور دیگر مشاہیر کاغذ پر لکھنا ہی چھوڑ دیں تو مکتوبات کا وجود کیسے ممکن ہو گا۔ جدت نے انسانی دل و دماغ پر پنجے گاڑ لیے ہیں اور اس جدت نے انسانی پیغام ایک جگہ سے دوسری جگہ پر پہنچانے کی روش ہی بدل دی ہے۔ جب مشاہیر کی ہی روش بدل جائے تو ان کے پیروکار کیسے روایات کو برقرار رکھ سکیں گے۔ ہم بڑا سنتے ہیں کہ ہمارے وزیر اعظم نے اقوام متحدہ کے جنرل سیکریٹری کو خط لکھا ہے کہ کشمیر میں عوام پر ظلم کی انتہا ہو گئی ہے۔ اول تو ایسے خطوط میں جو کچھ لکھا جاتا ہے ان میں مکتوب نگار کی رائے کے ساتھ ساتھ ملک کے بڑے بڑے عہدے داروں کی رائے بھی شامل ہوتی ہے تو پھر ایسے خطوط کو ہم کیسے مکتوب نگار کا ذاتی خط کیسے کہہ سکتے ہیں۔ دوم یہ خطوط بھی ڈاک کی بجائے زیادہ تر برقی شکل میں ہی بھیجے جاتے ہیں۔ اسی طرح اخبارت کے ایڈیٹر کے نام خطوط میں بے شمار لوگ حصہ لیتے تھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے تھے۔ ان میں سے بعض خطوط کو ایڈیٹر کی ڈاک میں جگہ بھی مل جاتی تھی اور بعض خطوط کو کسی کالم نگار کے کالم میں جگہ مل جاتی تھی۔ قربان جائیں اُن کالم نگاروں پر جو دشمنانِ مکتوبات بن چکے ہیں، وہ اخبارات میں اپنا دفتری یا رہائشی ایڈریس دینے کی بجائے ای میل ایڈریس لکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اپنی رائے سے صرف برقی طریقہ استعمال کرتے ہوئے نوازیں۔ اب ایک شخص جو ایسے علاقے میں ہے جہاں انٹرنیٹ کی سہولت تو درکنار بجلی کی سہولت بھی موجود بھی نہیں وہ اپنی رائے سے کیسے نوازے گا؟

آج کے دور میں نہ صرف ہمارے بچے بل کہ ہم خود بھی ڈاکیا اور ڈاک خانے کو بھول کر کورئیر کورئیر کا راگ الاپ رہے ہیں۔ خط کی معاشرتی اہمیت کے بارے میں اگر بات کی جائے تو معلوم ہو گا کہ پرانے وقتوں میں اگر کہیں لڑکی کے رشتے کی بات ہوتی تو تعلیم کے متعلق سوال کا جواب یہ ملتا تھا کہ 'لڑکی قران پاک اور چٹھی پڑھ لیتی ہے'۔ پرانے بوڑھوں کے لیے اتنا ہی کافی ہوتا تھا کہ لڑکی پڑھی لکھی ہے اب ہمیں چٹھی باہر والوں سے نہیں پڑھوانی پڑے گی۔ مکتوب نگاری کی تنزلی میں اگر جدید سہولیات کا حصہ ہے تو اس میں بھی کوئی شک نہیں ڈاک خانے کا عملہ بھی اس میں شامل ہے۔ اب وہ ڈاک کئی کئی دن اپنے پاس رکھتے ہیں اور مکتوب الیہ اور مکتوب نگار دونوں انتظار کی کیفیت میں خون جلاتے رہتے ہیں۔ مکتوب نگاری جو زوال پذیر ہو نہیں رہی بلکہ ہو چکی ہے، اگر ہم اس کی زوال پذیری کا مجرم تلاش کرنے کی کوشش کریں تو اس میں کوئی دورائے نہیں ہو گی کہ اگرچہ مرکزی مجرم ای۔ میل ہے

مگر اس کے ساتھ ساتھ موجودہ دور کی حکومتیں بھی ہیں جو یہ کہتی ہیں کہ اب سرکاری خط و کتابت بھی برقی ہونی چاہیے کیوں کہ اس سے کرونا وبا نہیں پھیلتی۔ سرکاری خط و کتابت کے لیے حکومت اب خود کہہ رہی کہ اس کے لیے فون، واٹس ایپ، ای میل اور موبائل پر عکسی تصاویر کا طریقہ استعمال کیا جائے۔[۱۰]

حرف آخر یہ کہ ہم آدھی ملاقات کو اب اہمیت ہی نہیں دیتے کیوں کہ نادانی میں ہم نام نہاد برقی ملاقات کو پوری ملاقات سمجھ بیٹھے ہیں۔ جب سے مختلف اقسام کے دن منائے جارہے مثلاً باپ کا دن، ماں کا دن، بہن یا بھائی کا دن اور اولاد کا دن وغیرہ، اس وقت سے ماں، باپ، بہن بھائی اور اولاد سے محبت میں کمی آتی جارہی ہے۔ اب نو نومبر کو ہر سال یوم ڈاک منایا جاتا ہے اس وجہ سے امید ہے کہ مکتوب نگاری جو پہلے ہی نایاب ہو چکی ہے وہ اب مکمل طور پر صفحہ ہستی سے مٹ جائے گی۔ ہماری رائے میں دن منانا ایسا ہی جیسے کسی مرے ہوئے کے لیے دعا کرنا۔ دِن منا کر اپنا فرض پورا کرنے کی بجائے ہمیں عملی طور پر مکتوب نگاری کے ساتھ ساتھ دیگر معدوم ہوتی ہوئی ادبی اصناف کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ اقدامات کرنے ہوں گے۔ تعلیمی اداروں میں ان اصناف کو پڑھایا تو جاتا ہے مگر سائنسی مضامین کی طرح عملی امتحان نہیں لیا جاتا۔ اگر حکومت معدوم ہوتی ہوئی ادبی اصناف کو عملی امتحان کے طور پر نصاب میں شامل کرلے تو ممکن ہے کہ یہ ادبی اصناف ایک بار پھر ادب کے آسمان پر دیگر چمکتے ستاروں جیسی ادبی اصناف کے ساتھ دوبارہ جگمگانے لگیں۔

حوالہ جات

۱۔ احمد ندیم قاسمی، افسانہ "ایک رات چوپال پر" مشمولہ مجموعہ "سیلاب و گرداب"، پبلشر سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔ سال اشاعت ۲۰۰۷ء، ص:۱۷

۲۔ غزلیں محمد علوی، مشمولہ سہ ماہی سَمت، ای شمارہ نمبر ۳۸، اپریل تا جون ۲۰۱۸ء، ص:۸۸

۳۔ وزیر آغا، مضمون "بیسویں صدی کی ادبی تحریکیں" مشمولہ 'نئے تناظر'، اردو رائٹرس گلڈ-الہ آباد، سال اشاعت ۱۹۷۹ء، ص:۶۳

۴۔ قران مجید، سورۃ نمل، آیت:۳۰

۵۔ فیروز اللغات (اُردو جدید)، مرتب ادارہ فیروز سنز، فیروز سنز پرائیوٹ لمٹیڈ، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص:۵۹۲

۶۔ فرہنگ آصفیہ (جلد دوم)، مرتب مولوی سید احمد دہلوی، مطبع رفاہ عام پریس، لاہور، ۱۹۰۸ء، ص:۱۹۹

۷۔ اُردو مکتوب نگاری تحقیقی و ادبی اہمیت (منتخب مقالات) مرتب: پروفیسر ڈاکٹر سید اشفاق حسین بخاری، شاخ زریں، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص:۱۴۸

۸۔ https://answeringexams.com/management-structure-of-pakistan-since-sher-shah-soori-era/

۹۔ غالب کے خطوط، جلد اول، مرتبہ خلیق انجم، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، سال اشاعت ۱۹۸۴ء، ص:۱۲۳

۱۰۔ سرکاری محکمہ جات اور دیگر تنظیموں کے ملازمین کے لئے کرونا وبا-۱۹ کے دوران رہنما اصول، جاری کردہ وزارت قومی صحت بتاریخ ۰۶.۰۶.۲۰۲۰ بہ مطابق کوڈ ۰۱-۳۴، ص:۲

References in Roman Script:

1. Ahmed Nadim Qasmi, Afsana "Ek Rat Chopal Par" Mashmoola Majmua, "Selab wa Garadab", Publisher, Sang Meel Publications, Lahore, Sal Ashat, 2007, P71
2. Ghazlain Muhammad Alvi, Mashmoola She Mahi, Samt, E Shumara Number 38, April ta June 2018, P 88
3. Wazir Agha, Mazmoon, Besvi Sadi ki Adbi Tehrikain, Mashmoola, Nai Tanazur, Urdu Writers, Glid, Alabad, Sal e Ashat, 1979, P63
4. Quran e Majeed, Surah Namal, Ayat 30
5. Feroz ul Lughat (Urdu Jadid) Muratab Idara Feroz Sons, Feroz Sons Private Limited, Lahore, 1987, P592
6. Farhang Asfia (Jild Dom), Muratab Molve Syed Ahmed Delvi, Matba Rifah Press, Lahore, 1908, P 199
7. Urdu Maktoob Nigari Tahqeeqi wa Adbi Ehmiyat (Muntakhib Maqalat), Muratab Prof. Dr. Syed Ashfaq Hussain Bukhari, Shakh Zaree, Islamabad, 2015, P. 148
8. https://answeringexams.com/management-structure-of-pakistan-since-sher-shah-soori-era/
9. Ghalib k Khatoot, Jild Awal, Muratba Khlaiq Anjum, Ghalib Institute, New Delhi, Sal e Ashat, 1984, P 123
10. Sakrari Mehkma jat or Degar Tanzemoo k Mulazmin k liy Corona Waba-19, k doran Rehnuma Asoo, Jari Karda Wazarat e Qomi Sehat Batareekh 2020, 06 06, bamutabiq code 10-34, P2